© rasailojaraid.com

اجتہاد کا اجتماعی منہج

عربی مقالہ: مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ

اردو تلخیص: ابوسفیان سعید

کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے جو کوششیں کی جاتی ہیں لغت میں انہیں اجتہاد کہتے ہیں۔ اسی طرح کسی شرعی حکم کو جاننے کے لیے جو کاوشیں کی جاتی ہیں' اصولِ فقہ کی اصطلاح میں انہیں بھی اجتہاد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ علمائے اصولِ فقہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ:

''فقیہہ کسی مسئلہ کے شرعی حکم کے گمان تک پہنچنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر دے''۔(۱)

امام غزالی رحمہ اللہ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ:

''شرعی احکام کی معرفت حاصل کرنے میں مجتہدین جو محنت اور جانفشانی کرتے ہیں اسے اجتہاد کہتے ہیں''۔(۲)

پہلی تعریف میں علم کے بجائے لفظ ظن (گمان) استعمال کیا گیا ہے' اس لیے کہ اجتہاد سے علمِ قطعی حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس سے علمِ ظنی کا فائدہ ہوتا ہے اور اس پر عمل کرنا لازم اور ضروری ہے۔

درحقیقت اجتہاد' شرعی احکام کی معرفت حاصل کرنے کا نام ہے۔ محدثین کرامؒ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کے اصحاب سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کو ملک یمن روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ ''اگر تمہارے پاس کوئی مسئلہ آجائے تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟'' انہوں نے جواب دیا کہ ''میں کتاب اللہ کے ذریعے فیصلہ کروں گا''۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''اگر اس کے متعلق کوئی حکم کتاب اللہ میں موجود نہ ہو تو کیا کرو گے؟'' تو انہوں نے جواب دیا کہ ''سنتِ رسول ﷺ پر عمل کروں گا''۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''اگر تمہیں یہاں بھی کوئی صریح حکم نہ ملے تو کیا کرو گے؟'' تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''میں اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کروں گا''۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے ان کے سینے پر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا: ''ساری تعریفیں اُس ربّ کائنات کے لیے ہیں جس نے اپنے رسول ﷺ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عنایت فرمائی جسے اس کا رسول (ﷺ) پسند کرتا ہے''۔(۳)

اگرچہ بعض محدثین نے حضرت الحارث بن عمرو اور دیگر راویوں یعنی اصحاب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کے مجہول ہونے کے باعث اس حدیث کی سند کو معلول کہا ہے لیکن اس کے باوجود ہر زمانے اور ہر شہر کے علماء نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے شرفِ قبولیت سے نوازا ہے۔ علامہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس حدیث میں اگرچہ اصحاب معاذ رضی اللہ عنہ کے اسماء کا تذکرہ نہیں کیا گیا' لیکن اس سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا' اس لیے کہ یہ شہرت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔ نیز حضرت الحارث بن عمرؒ نے اصحابِ معاذ کی جماعت سے یہ حدیث روایت کی ہے نہ کہ ان میں سے کسی ایک سے۔ کسی حدیث کو جماعت سے روایت کرنا شہرت کے اعتبار سے زیادہ بلیغ ہے' اس سے کہ ان میں سے کسی ایک سے روایت کی جائے اور اس کے نام کا بھی تذکرہ کر دیا جائے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کے اصحاب علم و فضل' صدق و صفا' تقویٰ و پرہیز گاری اور دیانت داری و امانت داری میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے جو کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں۔ ان میں سب کے سب اُمت کے بہترین اور چنیدہ افراد تھے' اہلِ علم نے ان پر اعتماد کیا ہے' ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ اس حدیث کے پرچم کو بلند کرنے والے شعبہ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ بعض ائمہ حدیث کا کہنا ہے کہ اگر کسی حدیث کی سند میں شعبہ کو دیکھو تو اپنے ہاتھ کو اس سے باندھ لو۔ ابو بکر الخطیب کا کہنا ہے کہ ''حضرت عبادہ بن نسی نے یہ حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن غنیم سے اور انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل سے روایت کی ہے اور یہ سند متصل ہے' اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ تمام محدثین نے یہ روایت نقل کی ہے اور اس سے استدلال کیا ہے۔ ہم بھی اس حدیث کی صحت پر یقین رکھتے ہیں۔''(۴)

اس حدیث کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو شیخین یعنی حضرت امام بخاریؒ اور حضرت امام مسلمؒ نے اپنی صحاح میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''جب حاکم کسی مسئلے میں اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد درست ہو تو اسے دہرا ثواب ملے گا اور اگر اجتہاد میں غلطی سرزد ہو جائے تو بھی اسے اجتہاد کرنے کا ثواب ملے گا۔''(۵)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کی حدیث کے معانی و مفاہیم کی تائید و حمایت متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمول سے بھی ہوتی ہے۔

امام دارمیؒ نے اپنی سنن میں حضرت شریحؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے ان (شریح) کے پاس ایک مکتوب ارسال فرمایا جس میں انہیں تاکید فرمائی گئی تھی کہ:

''اگر کوئی مسئلہ درپیش ہو اور اس کا حکم کتاب اللہ میں موجود ہو تو وہ اس کے مطابق فیصلہ کریں اور اس سلسلے میں لوگوں کی قطعاً پرواہ نہ کریں۔ اگر کسی مسئلہ کا حکم کتاب اللہ میں موجود ہو اور نہ ہی سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو جس حکم پر لوگوں کا اجماع ہو اسے اختیار کرو' اور اگر کسی مسئلہ کا حکم کتاب اللہ میں ہو نہ احادیثِ مبارکہ میں اور نہ ہی سلف صالحین میں تو دونوں امور میں سے جسے چاہو اختیار کر لو۔ اگر تم نے اجتہاد کر کے عمل کرنا چاہا تو اس پر عمل کرو اور اگر اجتہاد کر کے عمل سے گریز کرنا چاہا تو تمہارا عمل سے گریز کرنا تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔''

امام دارمیؒ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے فرمایا:

''جب تم سے کسی مسئلے کے بارے میں دریافت کیا جائے تو سب سے پہلے کتاب اللہ میں اس کا حکم تلاش کرو' اگر اس میں نہ پاؤ تو سنتِ رسولؐ میں اسے تلاش کرو' اور اگر وہاں بھی موجود نہ پاؤ تو اجماع پر عمل کرو'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر اجماع بھی نہ ہو تو اجتہاد کرو۔"

انہوں نے حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی مسئلے کے متعلق دریافت کیا جاتا تو وہ سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے' وہاں اس کا حکم موجود ہوتا تو سائل کو اس سے آگاہ کرتے۔ اگر قرآن پاک میں حکم موجود نہ ہوتا تو احادیث رسول ﷺ کی طرف متوجہ ہوتے' اگر وہاں بھی اس کا حکم نہ پاتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمولات کی طرف التفات فرماتے' اگر یہاں بھی مسئلے کا حکم پانے میں ناکامی ہوتی تو اپنی رائے کا استعمال فرماتے۔(۶)

علامہ بیہقیؒ نے حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور فرمایا: اے میرے چچا کے صاحبزادے! اگر ہمیں فیصلے پر مجبور کیا جائے تو ہم کیا کریں؟ تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کتاب اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کریں۔ اگر کتاب اللہ میں اس کا حکم موجود نہ ہو تو سُنّتِ رسول اللہ ﷺ میں اسے تلاش کریں۔ اگر وہاں بھی نہ ملے تو اہلِ رائے کو جمع کر کے اجتہاد کریں۔ اجتہاد کے بعد فیصلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح امام بیہقیؒ نے حضرت ادریس الاودیؒ سے روایت کی ہے' انہوں نے فرمایا حضرت سعید بن ابو بردہ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس ایک مکتوب لے کر آئے اور کہا کہ یہ وہ مکتوب ہے جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس ارسال کیا تھا' جس میں یہ مذکور تھا کہ اگر کسی مسئلے کا حکم قرآن و سنت میں نہ پاؤ تو اپنے فہم و فراست سے اس کا حکم تلاش کرو۔ امثال و متشابہات کا خیال رکھ کر مسئلے میں غور کرو' اور جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہو اسے اختیار کرنے کی کوشش کرو۔(۷)

حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمل کیا' جس سے اس حدیث کی تائید ہوتی ہے۔ اور علامہ ابن القیم الجوزیؒ کے قول کی توثیق ہوتی ہے کہ تمام سلف صالحین نے حدیث معاذ رضی اللہ عنہ پر عمل کیا ہے۔ اس حدیث میں انفرادی اجتہاد کا تذکرہ کیا گیا ہے' لیکن یہاں بہت سی ایسی نصوص موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مجتہد کے لیے مناسب ہے کہ وہ زیرِ غور مسئلے میں اصحاب الرائے سے مشاورت کرے' اور یہی اجتماعی اجتہاد سے مقصود و مطلوب ہے۔

اس میں اصل بات وہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے روایت کی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ اگر کوئی ایسا معاملہ درپیش ہو جس کے متعلق شریعت میں کوئی حکم موجود نہ ہو تو اس کے بارے میں آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"فقہاء اور متقی لوگوں سے مشورہ کرو اور کسی کی خاص رائے پر عمل مت کرو۔"(۸)

خطیب نے بھی یہ حدیث اپنی سند سے روایت کی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت مالک بن انسؒ نے حضرت یحییٰ بن سعیدؒ سے' انہوں نے حضرت سعید بن المسیبؒ سے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے روایت کی ہے' انہوں نے فرمایا: میں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ آپ کے بعد ہمارے سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش ہو جس کے متعلق قرآن کریم میں حکم ہو اور نہ اس کے متعلق آپ ﷺ سے کچھ سنا ہو تو میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

”میری اُمّت کے متقی اور پرہیزگار لوگوں کو جمع کرو اور ان سے مشورہ کرو‘ اور کسی ایک کی رائے پر فیصلہ مت کرو۔“(۹)

دارمیؒ نے یہ حدیث حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے‘ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے کسی ایسے مسئلے کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی حکم موجود نہ ہو تو‘ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسے مسئلے میں فقہائے اُمت غور وفکر کریں۔ (سنن دارمی)

خلفائے راشدین کا معمول یہ تھا کہ اگر ان کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہوتا جس کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی حکم موجود نہ ہوتا تو وہ اہل علم اور اہل فتویٰ سے مشاورت کرتے اور مسئلے کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حضرت جعفر بن برقانؒ سے‘ انہوں نے حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے‘ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپؓ سب سے پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع فرماتے‘ اگر وہاں کوئی حکم موجود ہوتا تو آپؓ اس کے مطابق فیصلہ صادر فرماتے‘ اگر کتاب اللہ میں اس کا حکم موجود نہ ہوتا تو سنت رسول اللہ ﷺ میں اس مسئلہ کا حل تلاش کرتے‘ اگر وہاں موجود ہوتا تو اس پر عمل کرتے‘ ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رابطہ کرتے اور فرماتے میرے سامنے فلاں مسئلہ آیا ہے‘ میں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں اس کا حکم تلاش کیا لیکن ناکامی ہوئی‘ کیا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کیا فیصلہ فرمایا تھا؟ تو بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کھڑی ہوتی اور کہتی کہ ہاں نبی کریم ﷺ کا اس مسئلہ میں یہ حکم ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس حکم کو اختیار کرتے اور اس کے مطابق فیصلہ صادر فرماتے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت میمون رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابی نے بھی مجھے یہ حدیث بیان کی ہے کہ اسی وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ساری تعریفیں اس اللہ کے لیے سزاوار ہیں جس نے ہمارے درمیان ایسے افراد مخصوص فرمائے جنہوں نے محبوب آقا ﷺ کی احادیث کو محفوظ کر لیا ہے۔ اگر اس مسئلہ کے بارے میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس نبی کریم ﷺ کا کوئی حکم موجود نہ ہوتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرماتے اور ان سے مشاورت کرتے‘ جس حکم پر وہ لوگ متفق ہو جاتے اس کے مطابق فیصلہ صادر فرماتے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت میمون رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کا بھی یہی معمول تھا۔ اگر کسی مسئلے کا حکم وہ قرآن وسنت میں نہ پاتے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کی طرف رجوع فرماتے‘ اگر وہاں حکم مل جاتا تو آپؓ اس پر عمل کرتے‘ ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے اور متفق علیہ فیصلہ پر عمل کرتے۔(۱۱)

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے متعدد مسائل کے احکام کے استنباط کے لیے فقہائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرمایا اور ان کے اجماع کے بعد احکام نافذ کیے۔ مثال کے طور پر انہوں نے عراق کی اراضی کی تقسیم اور ان پر خراج وصول کرنے کے معاملات طے کرنے کے لیے شوریٰ کا انعقاد کیا‘ جس میں فقہائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انصار' مہاجر صحابہ کرام ؓ کو شامل کیا گیا تھا' ہر ایک نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا' تمام حضرات اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ عراق کی اراضی پر خراج وصول کیا جائے۔ امام ابو یوسفؒ نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ ''کتاب الخراج'' میں بیان کیا ہے۔

اسی طرح حضرت عمر ؓ بن خطاب نے شُربِ خمر کی حد متعین کرنے کے لیے بھی صحابہ کرام ؓ کو جمع فرمایا تھا۔ امام طحاویؒ نے حضرت ابراہیم النخعیؒ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے انتقال فرمانے کے بعد لوگوں میں نماز جنازہ کی تکبیرات میں کافی اختلاف پایا جاتا تھا۔ ایک شخص کہتا تھا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو سات تکبیرات کہتے سنا ہے' دوسرا کہہ رہا تھا کہ نبی کریم ﷺ پانچ تکبیرات کہتے تھے' جبکہ تیسرے شخص کا دعویٰ تھا کہ نبی کریم ﷺ نماز جنازہ میں چار تکبیرات کہتے تھے۔ صحابہ کرام ؓ میں یہ اختلاف حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے انتقال تک موجود تھا۔ جب حضرت عمر ؓ بن خطاب خلیفہ مقرر ہوئے اور لوگوں میں اختلاف دیکھا تو انہیں یہ بہت شاق گزرا' انہوں نے صحابہ کرام ؓ کو جمع فرمایا اور کہا کہ آپ لوگ اصحابِ رسول ﷺ ہیں' اگر کسی مسئلہ میں آپ کے درمیان اختلاف پایا جائے گا تو آپ کے بعد لوگ اختلاف کرتے رہیں گے۔ جس معاملے پر آپ لوگ مجتمع ہوں گے تو آپ کے بعد بھی لوگ اس پر مجتمع ہوں گے' اور ان میں اختلاف نہیں ہو گا۔ اس لیے آپ لوگ نمازِ جنازہ کی تکبیرات پر متفق ہو جائیں' تو صحابہ کرام ؓ نے کہا امیر المؤمنین آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ ہمیں مشورہ دیں۔ تو حضرت عمر ؓ بن خطاب نے فرمایا کہ میں آپ کی طرح ایک انسان ہوں' آپ لوگ مجھے مشورہ دیں۔ تو ان لوگوں نے اس مسئلے پر غور و خوض کیا۔ اس کے بعد تمام صحابہ کرام ؓ چار تکبیرات پر متفق ہو گئے اور حضرت عمر ؓ بن خطاب نے تمام لوگوں کو نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہنے کا حکم فرما دیا۔[۱۲]

امام بیہقیؒ نے حضرت ابو وائل سے مختصراً روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے تک اس مسئلے پر صحابہ کرام ؓ میں اختلاف تھا' بعض صحابہ کرام ؓ نماز جنازہ میں سات تکبیریں' بعض چھ' بعض پانچ یا چار کے قائل تھے۔ حضرت عمر ؓ بن خطاب نے صحابہ کرام ؓ کو جمع کیا اور ان سے مشورہ طلب کیا' چنانچہ انہوں نے تمام صحابہ کرام ؓ کو چار تکبیرات پر جمع فرما دیا۔[۱۳]

اسی طرح صحابہ کرام ؓ جدید مسائل کے شرعی احکام جاننے یا مختلف فیہ مسائل پر اختلاف کم کرنے کے لیے مشاورت کرتے تھے۔ اجتماعی اجتہاد سے یہی مقصود ہے۔

مذکورہ روایت و دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام ؓ کے دور میں کسی جدید مسئلہ کا حکم تلاش کرنے کے لیے اجتماعی اجتہاد کا طریقہ اختیار کیا جاتا تھا۔ تاہم بعض تابعینؒ ایسے بھی تھے جو بعض مسائل میں انفرادی رائے رکھتے تھے اور دوسروں کی آراء کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔

امام بیہقیؒ نے ابو حصین سے روایت کی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے کوئی کسی مسئلے میں فتویٰ دیتا' اگر وہی مسئلہ حضرت عمر ؓ بن خطاب کے سامنے پیش آتا تو آپ اس کا حکم تلاش کرنے کے لیے بدری صحابہ کرام ؓ کو ضرور جمع فرماتے۔[۱۴]

اسی طرح عہدِ صحابہ کرام ؓ کے بعد ائمہ مجتہدین بھی باہم مشاورت کر کے کسی جدید مسئلے کے حکم کا تعین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے تھے۔ بعض ائمہ مجتہدین نے جدید فقہی مسائل پر غور و خوض کرنے کے لیے اکیڈمی قائم کی تھی جس میں وہ جمع ہوتے اور فقہی مسائل پر مذاکرات کرتے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اجتہاد کے لیے شوریٰ کا نظام قائم کیا تھا۔ الموفق المکیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنا مسلک ہی شورائی نظام پر قائم کیا تھا۔ وہ اپنے اصحاب سے مذاکرات کے بعد ہی کسی مسئلے کا حکم متعین کرتے۔ ان کے یہاں ایک ایک مسئلہ پر کئی کئی روز بلکہ مہینوں تک بحث و مباحثے کا سلسلہ جاری رہتا۔(۱۵)

سابقہ روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جدید مسائل کے شرعی احکام تلاش کرنے کے لیے ہمارے پاس اجتماعی اجتہاد بہترین طریقہ ہے۔ عصر حاضر میں بہت سے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں جن کے متعلق قرآن و سنت میں واضح احکام موجود نہیں‘ اسی طرح ان کے بارے میں فقہائے متقدمین بھی خاموش ہیں۔ بعض جدید مسائل ایسے ہیں جن کا تذکرہ بعض فقہائے متقدمین کی کتابوں میں ملتا ہے لیکن اس وقت اس بات کی ضرورت ہے کہ ان مسائل کے احکام کا از سرِ نو جائزہ لیا جائے‘ اس لیے کہ جن اسباب و علل کی بنیاد پر احکام مستنبط کیے گئے تھے وہ اب باقی نہیں رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی روایت کردہ حدیث ہر زمانے اور ہر جگہ کے علماء کو دعوت دیتی ہے کہ وہ جدید مسائل کے شرعی احکام کے لیے سر جوڑ کر بیٹھیں‘ مذاکرات کریں اور قرآن و سنت کی روشنی میں مسائل حل کریں‘ جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ’’فقہاء اور نیک و متقی علمائے کرام سے مشورہ کرو اور خاص رائے اختیار مت کرو۔‘‘(۱۶)

عصرِ حاضر میں اجتماعی اجتہاد سے یہی مقصود ہے‘ لیکن اجتہاد کے طریقہ کار کے بارے میں گفتگو کرنے سے قبل میں بعض لوگوں کے غلط افکار و خیالات سے متنبہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

یہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مغربی تہذیب و ثقافت سے اس قدر متاثر ہیں اور اس کے اتنے زیادہ دلدادہ ہیں کہ وہ یہاں تک کہنے لگے ہیں کہ تمام شرعی احکام از سرِ نو مستنبط کیے جانے چاہئیں۔ ان کی خواہش ہے کہ تمام شرعی احکام میں اجتہاد کا عمل الف بے سے شروع کیا جائے۔ وہ لوگ قدیم فقہی سرمایوں کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ اس کی بھی پرواہ نہیں کرتے کہ صدیوں سے تمام فقہائے کرام مسلّمہ شرعی اصول و مبادی پر متفق ہیں۔ ان لوگوں کے دعووں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم آج ہی نازل ہوا ہے اور فقہاء احادیث مبارکہ سے آج ہی واقف ہوئے ہیں۔ ان مغرب زدہ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ چودہ سو سال کے دوران کسی کو بھی قرآن و احادیث مبارکہ میں تدبر کرنے کی توفیق نہیں ہوئی یا فقہائے کرام اور ائمہ مجتہدین نے فہم قرآن اور احادیث مبارکہ میں غلطیاں کی ہیں۔ ان میں اس قسم کے باطل خیالات فقہائے اُمت اور ائمہ مجتہدین کی قرآن و سنّت میں گرانقدر خدمات سے ناواقفیت‘ بحث و تحقیق میں ان کے اعلیٰ معیار سے لاعلمی اور ان کے علم و فضل‘ تقویٰ و طہارت‘ صدق و صفا اور دیانت داری و امانت داری سے نابلد ہونے کے باعث پیدا ہو رہے ہیں۔ اس سے ان لوگوں کا مقصد پوری شریعت سے انکار کرنا‘ ہر چیز میں تشکیک پیدا کرنا اور جدید نسل کو گمراہ کرنا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ مطلق اجتہاد کی دعوت دینے والوں کی تعداد کم نہیں‘ لیکن آج تک ان میں سے ایک شخص بھی کھڑا نہیں ہوا جو از سرِ نو شرعی احکام مستنبط کرنے کی کوشش کرتا اور وہ طہارت سے فرائض تک کے احکام ایک کتاب میں جمع کر دیتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم اجتماعی اجتہاد کی دعوت اس لیے نہیں دے رہے کہ ہم مغربی افکار و خیالات کے مطابق اسلامی احکام کو ڈھالیں۔ ایسی بات ہرگز نہیں' ہمیں اجتماعی اجتہاد کی اس وقت اس لیے ضرورت ہے کہ اس وقت انسانی زندگی میں بہت زیادہ تبدیلیاں آ گئی ہیں۔ بہت سے جدید مسائل پیدا ہو رہے ہیں اور جدید تحقیقات سامنے آ رہی ہیں۔ اس صورتحال کے پیشِ نظر ہمارے لیے ضروری ہے کہ فقہائے متقدمین اور ائمہ مجتہدین کے وضع کردہ قواعد و ضوابط کی روشنی میں قرآن و سنت میں غور کر کے جدید مسائل کے احکام کو تلاش کرنے کی کوشش کریں۔

بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ فقہی مسائل میں اجتہاد کرنے کا حق پارلیمنٹ کو سونپ دیا جائے' اس لیے کہ یہ ملک کا سب سے طاقتور ادارہ ہے جہاں قوم کے منتخب نمائندے موجود ہوتے ہیں' جو مختلف علوم و فنون میں مہارت رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ کسی بھی جدید فقہی مسئلے کے حل میں یہ ادارہ اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ فقہی اجتہاد کے مفاہیم و معانی اور اس کے تقاضوں سے بالکل نابلد ہیں' اس لیے وہ اس قسم کی تجاویز پیش کر رہے ہیں۔ شرعی امور میں اجتہاد کا دار و مدار عقل پر نہیں بلکہ قرآن و سنت پر ہے۔ فقہی اجتہاد کے لیے قرآنی علوم' احادیث مبارکہ' فقہ اور اصولِ فقہ میں مہارت رکھنا نہایت ضروری ہے۔ یہ عظیم الشان کارنامہ وہی لوگ انجام دے سکتے ہیں جو ان علوم میں دسترس رکھتے ہوں۔ یہ مبارک عمل وہ لوگ کس طرح انجام دے سکتے ہیں جو شرعی علوم کے اصول و مبادی سے بھی واقف نہ ہوں؟ ہر شخص اس حقیقت سے واقف ہے کہ آج ارکانِ پارلیمنٹ کا انتخاب شرعی علوم سے واقف ہونے کی بنیاد پر نہیں کیا جاتا۔ اگر انہیں فقہی مسائل میں اجتہاد کرنے کی ذمہ داری دی جائے گی تو گویا کہ انہیں ایک ایسے کام کا ذمہ دار بنانا ہوگا جس کے وہ بالکل اہل نہیں۔

اسلام کی بالغ حکمتِ عملی یہ ہے کہ اس نے کاہنوں' برہمنوں اور عیسائیوں میں ''کیلروس'' کی طرح فقہی اجتہاد کے لیے کوئی سرکاری ادارہ قائم نہیں کیا۔ ایسا اس لیے ہوا کہ اکثر و بیشتر ادارے مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ شر و فساد کی آماجگاہ بن جاتے ہیں' ایسے لوگوں کا ان پر تسلط و غلبہ ہو جاتا ہے جو معاشرے میں طاقت و قوت کی بنیاد پر اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ رفتہ رفتہ ان اداروں پر سیاست' علاقائیت اور رنگ و نسل کے رجحان غالب ہونے لگتے ہیں' جیسا کہ نصاریٰ کی بابویہ تاریخ میں پیش آیا۔ اسلام نے فقہی اجتہاد کے لیے سرکاری ادارہ کے قیام کے بجائے اس کے لیے صرف شرائط وضع کیے' جن کے اندر یہ شرائط پائی جائیں گی وہی فقہی اجتہاد کے اہل ہوں گے۔

اجتماعی اجتہاد کا بہتر اور افضل طریقہ وہی ہے جس کی طرف آج سے چودہ سو سال قبل محبوب آقا ﷺ نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے' جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے روایت کیا ہے' آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ:

''فقہاء اور عابدین سے مشاورت کرو اور کسی کی خاص رائے پر عمل مت کرو اور خلفائے راشدین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال و اعمال پر نظر رکھو۔''

نبی کریم ﷺ نے اجتہاد کے لیے دو شرطیں وضع فرمائی ہیں:

(ا) فقہاء تفقہ فی الدین کے لیے اپنے آپ کو فارغ کر دیں' وہ ہمہ وقت قرآن و حدیث کے مطالعہ میں غرق ہوں' جیسا کہ قرآن کریم میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ......﴾ (التوبة:۱۲۲)

''سوایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرے......''

(۲) فقہاء متقی' پرہیزگار اور تقویٰ وطہارت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوں۔ یہ وہ اعلیٰ صفات ہیں جن سے انسان حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز کرتا ہے' خواہشاتِ نفسانی سے دور رہتا ہے اور احکامِ الٰہی کو واضح کرنے میں ٹال مٹول سے کام نہیں لیتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا......﴾ (الانفال:۲۹)

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تم کو ایک فیصلے کی چیز دے گا......''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم کے ساتھ تقویٰ و پرہیزگاری اور اعلیٰ اخلاقی قدروں سے متصف ہونا بہت ضروری ہے۔ حضرت امام ترمذیؒ نے حضرت جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث تخریج کی ہے جو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے' کہ ایک مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا کہ ''ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگوں سے علم اٹھ جائے گا' وہ لوگ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھیں گے''۔ حضرت زیاد بن لبید الانصاری رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ ہم سے علم کس طرح اٹھ جائے گا؟ ہم لوگوں نے قرآن پاک پڑھا ہے اور اللہ کی قسم اس کی تلاوت کرتے رہیں گے اور اپنی خواتین اور بچوں کو بھی اس کی تعلیم دیتے رہیں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے زیاد! تمہاری ماں تم کو نہ جنتی' میں تو تم کو مدینہ کے فقہاء میں شمار کرتا تھا' یہود و نصاریٰ بھی تو تورات و انجیل رکھتے ہیں اور ان کی تلاوت کرتے ہیں لیکن انہیں اس سے کیا فائدہ پہنچ رہا ہے؟'' حضرت جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب میں نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو میں نے کہا کہ کیا آپ نے سنا کہ آپ کے بھائی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کیا کہہ رہے ہیں؟ پھر میں نے ان کی بات انہیں گوش گزار کر دی تو حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''ابوالدرداء صحیح کہہ رہے ہیں' اگر چاہو تو میں تمہیں بتاؤں کہ علم میں سب سے پہلے لوگوں سے خشوع اٹھ جائے گا' تم بھری مسجد میں دیکھو گے کہ ان میں ایک شخص بھی خشوع و خضوع والا نہیں ہوگا''۔(۱۷)

اس لیے ضروری ہے کہ جو لوگ اجتماعی اجتہاد میں شریک ہوں ان کے اندر دونوں مذکورہ شرائط موجود ہوں' ان کا انتخاب تفقہ فی الدین اور تقویٰ و پرہیزگاری کی بنیاد پر کیا جائے' وہ حکومت یا کسی سیاسی پارٹی کے دباؤ کا شکار نہ ہوں' وہ فیصلہ کرنے میں بااختیار ہوں اور وہ مشاورت میں کھلے ذہن سے شریک ہوں۔ وہ ہر تعصب سے پاک ہوں اور قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنی رائے پیش کریں۔

موجودہ دور میں اجتماعی اجتہاد کے لیے متعدد اکیڈمیاں اور ادارے قائم کیے گئے ہیں۔ ان میں بعض حکومتی سطح پر کام کر رہے ہیں' جیسے سعودی عرب میں سربرآوردہ علماء بورڈ' پاکستان میں فکر اسلامی کونسل اور ہندوستان میں اسلامی فقہ اکیڈمی ہیں۔ اسی طرح بعض اکیڈمیاں بین الاقوامی سطح پر بھی قائم کی گئی ہیں' ان میں اسلامی کانفرنس تنظیم کے زیر اہتمام بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی اور رابطہ عالمِ اسلامی کی فقہ اکیڈمی شامل ہیں۔ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اداروں اور اکیڈمیوں نے جدید مسائل کے حل کرنے میں اہم کردار ادا کیے ہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان اکیڈمیوں اور اداروں کی قراردادوں کو اجماعِ اُمت کی حیثیت دے دی جائے‘ لیکن ہم ان کی تجاویز سے اتفاق نہیں کرتے۔ میں اداروں اور اکیڈمیوں کی علمی خدمات کا بہت زیادہ معترف ہوں‘ ان اداروں اور اکیڈمیوں نے اُمت کے بڑے بڑے مسائل حل کیے ہیں‘ لوگوں کو مشکلات سے بچایا ہے‘ جس کی وجہ سے وہ پوری اُمت کی جانب سے شکریے کے مستحق ہیں‘ تاہم ان کی قراردادوں کو اجماعِ اُمت کی حیثیت نہیں دی جانی چاہیے‘ اس لیے کہ اسلام اجتماعی اجتہاد میں ’’کہنوتی نظام‘‘ کو تسلیم نہیں کرتا۔ ہماری روشن اسلامی تاریخ میں ایسا ایک بھی ادارہ نہیں پایا جاتا جس نے اجتہاد کا دروازہ دوسروں کے لیے بند کر دیا ہو‘ اسی وجہ سے امام مالکؒ نے اس بات سے انکار کر دیا تھا کہ لوگ ان ہی کے اجتہاد کی پابندی کریں۔ ابن سعد نے امام مالکؒ سے ایک روایت تخریج کی ہے‘ امام مالکؒ نے فرمایا کہ ’’جب ابوجعفر منصور فریضۂ حج ادا کرنے ارضِ مقدس آئے تو انہوں نے مجھے طلب کیا‘ میں ان کے پاس آیا‘ مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال کیا۔ اس دوران انہوں نے کہا کہ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں آپ کی کتاب ’’موطا‘‘ کے ذریعے فیصلے کروں‘ چنانچہ آپ اس کے متعدد نسخے تیار کریں تاکہ میں انہیں تمام شہروں میں بھیج دوں اور تمام لوگوں کو اس کے مطابق عمل کرنے کا حکم صادر کر دوں اور دوسری کتابوں کو ترک کر دیں۔ تو میں نے کہا: ’’اے امیر المؤمنین! ایسا مت کریں‘ لوگوں کے پاس اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث موجود ہیں‘ لوگ ان پر عمل کر رہے ہیں‘ اگر آپ ایسا کریں گے تو شدید اختلاف رونما ہو جائے گا‘ اس لیے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں‘‘۔(۱۸)

کسی فقہ اکیڈمی یا ادارے کے لیے ممکن نہیں کہ وہ پوری دنیا کے فقہاء کو جمع کر سکے‘ اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ دیگر فقہائے کرام کو اپنی آراء کا اظہار کرنے سے روک دیا جائے۔ جب یہ ممکن نہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی اکیڈمی یا ادارہ کی قراردادوں کا دوسروں کو پابند بنایا جائے‘ یا ان کی قراردادوں کو اجماعِ اُمت کی حیثیت دے دی جائے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ وہ قراردادیں نہایت مفید ہیں۔ جدید مسائل کو حل کرنے میں ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور ان کے مضبوط دلائل و براہین کو مرجعیت حاصل ہو سکتی ہے۔ جب یہ قراردادیں شائع ہوں گی اور کسی نے اس کی مخالفت نہ کی تو خاص طور پر مذکورہ بالا مسائل پر اجماع کا راستہ ہموار ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ فقہ اکیڈمیوں اور اداروں کی قراردادیں ضرور شائع کی جانی چاہئیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ایسا کرنے سے شاذ اور غیر شرعی فتوے صادر کرنے کا دروازہ بند ہو جائے گا‘ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک ادارے کے فتاویٰ کو تمام لوگوں پر لازم کرنا ممکن نہیں۔ اُمت کا ضمیر بیدار ہے اور اس نے شاذ اور غیر شرعی فتووں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ ہماری تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کمزور دلائل کی بنیاد پر فتوے صادر کیے گئے تو ان کی طرف توجہ نہیں دی گئی اور آج وہ صرف صفحات میں موجود ہیں‘ لوگوں کی زندگیوں میں نہیں۔ (بشکریہ ’’الحسن‘‘ لاہور)

(حواشی صفحہ 34 پر)

© rasailojaraid.com